

تہمینہ عباس  
اسسٹنٹ پروفیسر  
جی ڈی اے پبلک اسکول، گوادار

## اعظم کریوی کے افسانوں میں سماجی مسائل

### ABSTRACT

Aazam Kuraivi and depiction of rural milieu in his Urdu short stories

By Dr. Tehmeena Abbas, Assistant Professor, G.D.A Public School, Gawadar.

Aazam Kuraivi is a short story writer of Urdu, known for his depiction of sub-continent's rural milieu. He is one of those few writers of Urdu who have successfully portrayed sub-continent's villages in short fiction.

This paper briefly describes his life and evaluates his short stories viz-a-viz our rural milieu.

اُردو افسانے میں اعظم کریوی (۱۸۹۹ء-۱۹۵۵ء) کا شمار پریم چند کے مقلدین میں کیا جاتا ہے۔ انھوں نے اُردو افسانے کے ابتدائی دور میں حقیقت پسندی کے رُحان کے تحت ہندوستان کے دیہات کو پیش کیا۔ اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش بہت کم افسانہ نگاروں کے یہاں نظر آتی ہے۔ اعظم کریوی کے افسانوں کے کردار، موضوعات، زبان پورب کے دیہات اور ہندو سماج کی عکاسی کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندو کردار بھی پیش کیے ہیں اور مسلمان بھی، اس مقالے میں اعظم کریوی کے افسانوں میں دیہات کی پیش کش کو موضوع بنایا گیا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ہمارے بیشتر افسانہ نگاروں نے نہ تو دیہات کی زندگی کو درخور اعتنا سمجھا اور نہ ہی دیہاتی مزاج، دیہاتی کردار اور دیہاتی ماحول کو اپنے افسانوں میں مناسب جگہ دی (۱)۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہمارے بیشتر افسانہ نگار شہر کے پروردہ ہیں ان کی تعلیم و تربیت شہر میں ہوئی اور انھیں دیہات دیکھنے کا موقع بہت کم ملا (۲)۔ اُردو افسانے میں بیس فیصد شہر کے تناسب کو نوے فیصد سے زیادہ نمائندگی دی گئی ہے لیکن اسی فیصد تناسب کے دیہات کو دس فیصد سے کم نمائندگی ملی ہے (۳)۔ لیکن اگر ہم اُردو افسانے کے ارتقاء کا تفصیلی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ماحول اور فضا کی عکاسی کے حوالے سے اُردو افسانے کا دامن بھی خالی نہیں رہا۔ ہمارے افسانہ نگاروں کے یہاں زمین پر اُترنے، اس کی باس سو گھنٹے اور اسے اپنے دل میں اتارنے اور پھر افسانے کے بطون میں شامل کر دینے کا واضح رُحان موجود ہے (۴)۔

اُردو افسانے کی ابتدا خواہ پریم چند سے ہوئی ہو یا یلدرم سے اس کے ابتدائی نقوش صحیح معنوں میں بیسویں صدی کے ابتدائی چند سالوں میں ہی ابھرے (۵)۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے سجاد حیدر یلدرم کے افسانے ”نشے کی پہلی ترنگ“

کو اُردو کا پہلا افسانہ قرار دیا (۶)۔ جب کہ مرزا حامد بیگ نے راشد الخیری کو اُردو کا پہلا افسانہ نگار قرار دیا ہے (۷)۔ اُردو افسانے نے اس وقت سے لے کر اب تک اتنی شکلیں بدلی ہیں کہ ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ صورت حد درجہ غیر معمولی بھی ہے اور حیرت انگیز بھی (۸)۔ افسانہ کسی ایک واقعے، ایک جذبے، ایک احساس، ایک تاثر ایک اصلاحی مقصد، ایک رومانی کیفیت کے تحت لکھا جاتا ہے افسانے کی یہی خوبی اسے ناول سے ممتاز کرتی ہے (۹)۔

سجاد حیدر یلدرم نے مغربی طرز فکر اپناتے ہوئے اُردو افسانے میں رومانیت پسندی کی بنیاد رکھی (۱۰)۔ یہ رومانی عنصر سجاد حیدر یلدرم کے یہاں ترکی سے آیا (۱۱)۔ نیاز فتح پوری، سلطان حیدر جوش، حجاب امتیاز علی، لطیف احمد، محمد علی رودلوی، مسز عبدالقادر، مجنوں گورکھ پوری اور قاضی عبدالغفار ایسے افسانہ نگار ہیں جو دبستان یلدرم کے دائرے میں آتے ہیں (۱۲)۔ رومانیت کے علمبرداروں نے زندگی کے خوشگوار پہلو اور مسائل سے پاک دنیا، عشق و محبت، عورت اور محبت اور ایک بہترین تخیلاتی دنیا کی عکاسی کی جہاں ہر چیز بہترین اور مکمل تھی (۱۳)۔ سجاد حیدر یلدرم اور نیاز فتح پوری کے افسانوں میں کوئی ہندو کردار نہیں ہے اور قصے صرف اعلیٰ متوسط طبقے تک محدود ہیں (۱۴)۔

اُردو افسانے میں حقیقت نگاری کا رجحان رومانیت کا رد عمل بھی تھا اور رومانیت کے متوازی بھی (۱۵)۔ حقیقت نگاری کی ابتدا اُردو افسانوں میں پریم چند سے ہوئی (۱۶)۔ پریم چند سماجی شعور رکھتے تھے ان کے افسانوں میں اس وقت کے ہندوستان کی سماجی زندگی کی ساری تصاویر نظر آتی ہیں (۱۷)۔ پریم چند نے کسانوں اور مزدوروں کے مسائل اور ان کی زندگی کو اپنے افسانوں کے دامن میں سمیٹ لیا اور نئے ہندوستان کی نئی فکری طبقاتی جہات کی عکاسی کی (۱۸)۔ حقیقت نگاری نے سماجی انتشار، اخلاقی گراؤ، تہذیبی استحصال اور طبقاتی کشمکش سے پیدا ہونے والے مسائل کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے کر نہ صرف معاشرے کی مسخ ہوتی ہوئی تصویر کا مکمل نقشہ پیش کیا بلکہ اس کو سنوارنے کا بھی جتن کیا (۱۹)۔ یہ تصویریں غریبوں کی بے بسی اور امیروں کی بے حسی کی ہیں، پھٹے حال کسانوں اور مزدوروں کی فاقہ مستی کی ہیں مذہب کی اجارہ داری اور سماج کے ٹھیکیداروں کی ہیں اور زمینداروں کے لوٹ کھسوٹ اور سرمایہ داروں کے جبر و تشدد کی ہیں (۲۰)۔

پریم چند کے اصلاحی رنگ اور حقیقت نگاری سے متاثر ہو کر سردرشن، اعظم کرپوی، حامد اللہ افسر، علی عباس حسینی، پروفیسر مجیب نے کامیاب افسانے لکھے (۲۱)۔ اُردو افسانے کے اولین دور میں ہی دیہات کو خاص اہمیت ملی۔ منشی پریم چند نے اپنے فن کا اولین روشن نقش دیہاتی افسانے کی اساس پر ہی مرتب کیا۔ پریم چند نے کبھی دیہات سے اپنا ناٹ نہیں توڑا چنانچہ اگر یہ کہا جائے کہ اُردو افسانے میں دیہات کو پیش کرنے کی صحت مندر روایت پریم چند نے قائم کی اور اسے فروغ دیا تو غلط نہ ہوگا (۲۲)۔ انیسویں صدی کے آخر میں انگریزوں نے ہندوستان میں قدم جمانے کے لیے کچھ شہروں کو

مرکزی صنعتی اور تجارتی حیثیت دے دی تھی جب کہ دیہات خام اجناس کے مراکز تھے اور انھیں مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا تھا (۲۳)۔

نئی منصوبہ بندی میں شہروں کو اہمیت دینے کی وجہ سے دیہات کی آبادی کو شہروں کا رخ کرنا پڑا نقل آبادی کے اس عمل سے اُردو افسانہ بھی متاثر ہوا (۲۴)۔ اولاً ہندوستان کا معاشرہ شہروں کی چکاچوند سے محرومی کا شکار ہوا بعد میں دیہاتی قدروں کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہوا جس کے تحت اُردو افسانے میں دیہات سے کردار اخذ کر کے حقیقی زندگی کی ترجمانی کی گئی (۲۵)۔ بیسویں صدی صنعتی ترقی اور منفعت پرستی کی صدی تھی اس صدی میں مفاد پرستی نے اخلاقی قدروں پر نفوذ حاصل کر لی تھی اس دور کے افسانوں میں دیہات خیر کی علامت نظر آتے ہیں۔ (۲۶) اس دور میں شہر کی اخلاقی پستی کے متوازی دیہات کو آئینے کی صورت میں پیش کیا گیا (۲۷)۔

پریم چند دیہی زندگی کے بہت بڑے نباض تھے۔ اُردو افسانے میں دیہات کی پیش کش کے حوالے سے پریم چند کی تقلید کرنے والوں میں سدرشن، علی عباس حسینی اور اعظم کریوی کا نام لیا جاسکتا ہے (۲۸)۔ سدرشن دیہات کے سماجی پہلوؤں کی تصویر کشی بڑی چابکدستی سے کرتے ہیں انھوں نے بالخصوص ہندوؤں کے رہن سہن، ان کے رسوم و رواج کو ہمدردانہ نقطہ نظر سے پیش کیا (۲۹)۔ علی عباس حسینی نے اپنے افسانوں میں یوپی کے مشرقی دیہات کی ترجمانی کی مگر ان کے افسانوں میں دیہات کے ماحول کو مرکزیت حاصل نہیں ہے (۳۰)۔

اعظم کریوی کے افسانوں میں دیہات ایک ایسا خود کفیل جہان ہے جو کسی غیر کا دست نگر نہیں ہے ان کے دیہات میں غربت و افلاس بھی ہے اور جہالت بھی مگر ان کے کردار چھوٹی چھوٹی مشکلات کے ہاتھوں گھبرا کر شہر کی طرف نہیں بھاگتے بلکہ دو وقت کی روٹی کے لیے اپنی جنم بھومی میں رہ کر ہی خون پسینہ بہاتے ہیں (۳۱)۔ اعظم کریوی کے یہاں دکھ درد کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر قبول کرنے کا رویہ موجود ہے (۳۲)۔ کرشن چندر، اختر اورینوی، بلونت سنگھ، احمد ندیم قاسمی، غلام الثقلین، صادق حسین، جلیلہ ہاشمی، راجندر سنگھ بیدی، دیوند رستیا رتھی، سہیل عظیم آبادی، ابوالفضل صدیقی، سید رفیق حسین، چوہدری محمد علی ردولوی وغیرہ نے بھی اپنے افسانوں میں دیہی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کی ہے (۳۳)۔ ان حضرات میں ابوالفضل صدیقی اور سید رفیق حسین دیہات کی پیش کش کے حوالے سے ہماری توجہ خصوصی طور پر اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ ان کے یہاں دیہات کی پیش کش میں ایک خصوصی پہلو نمایاں ہے یعنی رفیق حسین اور ابوالفضل صدیقی نے سماجی حقیقت نگاری کے لیے انسانی زندگی اور ماحول میں شامل دیگر کرداروں (مثلاً) جانوروں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے (۳۴)۔

اعظم کریوی کا شمار حقیقت پسند افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے انھوں نے پریم چند کے حقیقت پسندی کے رُحان کو

آگے بڑھایا ان کے افسانوں میں فارسی اور ہندی قطبین کے یہاں درمیانی لہجے کی دریافت ہوئی جو مخصوص دیہاتی ماحول سے قریب تر تھا دیہات کی سادگی، معاشی اور سماجی زندگی اعظم کریوی کے افسانوں کے خاص موضوعات تھے (۳۵)۔ ان کے زیادہ تر افسانے حقیقت پسندانہ عناصر پر مشتمل ہیں حقیقت پسندی کے غالب رجحان کی وجہ سے ان کا شمار پریم چند کے مقلدین میں کیا جاتا ہے (۳۶)۔ اعظم کریوی کا پہلا افسانہ ”پریم کی انگوٹھی“ ان کے اپنے رسالے ”ماہنامہ طوفان“ میں ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا جو الہ آباد سے شائع ہوا کرتا تھا (۳۷)۔

اعظم کریوی ۲۲ جون ۱۸۹۹ء میں کورئی گاؤں، پرگنہ چائل ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے (۳۸)۔ اعظم کریوی کا اصل نام انصار احمد تھا اور والد کا نام فیاض احمد تھا اعظم کریوی تین بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ان سے چھوٹے بھائی کا نام اسرار احمد کریوی اور سب سے چھوٹے بھائی کا نام محمد احمد کریوی تھا (۳۹)۔ اعظم کریوی نے لڑکپن میں ہی شاعری شروع کر دی تھی ان کی طبیعت میں جوش بھی تھا اور رومانیت بھی مگر جلد ہی شعر گوئی کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا (۴۰)۔ وہ مشہور شاعر نوح ناروی کے شاگرد تھے انھوں نے ہندی زبان رامائن پڑھنے سمجھنے اور لطف اندوز ہونے کی نیت سے سیکھی (۴۱)۔

اعظم کریوی الہ آباد میں فوج کے محکمے میں یکم ستمبر ۱۹۲۱ء کو عارضی سولین بھرتی ہوئے اور ۱۸ مئی ۱۹۲۱ء کو مستقل کلرک بنادے گئے (۴۲)۔ انھوں نے برصغیر کے مختلف مقامات پر فرائض انجام دیے آزادی ہند اور تشکیل پاکستان کے بعد سرگودھا آگئے پھر انھیں راولپنڈی تعینات کیا گیا (۴۳)۔ بعد ازاں اعظم کریوی کراچی میں ملیئر کینٹ کے فوجی اخبار ہفت روزہ ”مجاہد“ کے ادارے میں اپنے فرائض منصبی سے ۱۸ مئی ۱۹۵۲ء کو سبکدوش ہو گئے (۴۴)۔ انھوں نے ”مجاہد“ کے ساتھ ”ماہ نو“ کی خدمات بھی انجام دی تھیں (۴۵)۔ اعظم کریوی ہفتہ وار ”مجاہد“ ملیئر کینٹ کی ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد تھوڑے عرصے تک سرکاری، نیم سرکاری اور غیر سرکاری اداروں سے وابستہ رہے (۴۶)۔ انھوں نے انگریزی اخبار اسٹینڈرڈ کے اداراتی ادارے میں کام کیا اور یونائیٹڈ نیشنز کے دفتر میں بھی ملازم رہے (۴۷)۔ حفیظ جالندھری کے پرائیوٹ سیکریٹری بھی رہے آخر میں ماہنامہ ”عصمت“ کراچی میں ”دکھیا کی کہانی میری زبانی“ سلسلے کی سچی کہانیاں لکھنی شروع کی تھیں پانچویں کہانی کی اشاعت کے کچھ دنوں بعد ۲۱ اور ۲۲ جون ۱۹۵۵ء کی درمیانی شب ڈرگ روڈ تھانے کے قریب سفر کرتے ہوئے ایک سفاکانہ حملے کی زد میں آکر وفات پا گئے (۴۸)۔

وہ تمام عمر صحافت سے وابستہ رہے آخری عمر میں حفیظ جالندھری کے پرائیوٹ سیکریٹری ہونے کے باوجود عصمت میں ”دکھیا کی کہانی میری زبانی“ سلسلے کی کہانیاں لکھ رہے تھے قیاس کیا جاتا ہے کہ ان ہی کہانیوں میں سے کوئی کہانی ایسی ضرور تھی جو ان پر قاتلانہ حملے کا سبب بنی (۴۹)۔ اعظم کریوی نے چار شادیاں کی تھیں کثیر العیال تھے ریٹائرمنٹ کے بعد اکثر معاشی پریشانیوں اور تنگی کا شکار رہے (۵۰)۔ انھیں اپنے گاؤں کورئی سے بہت محبت تھی تقسیم کے بعد وہ ہندوستان

چھوڑ کر پاکستان آ گئے تھے مگر ان کے والدین ہندوستان میں ہی رہ گئے تھے جب ان کے والدین کا خط ان کے نام آتا تو پڑھ کر اپنے بچوں کو دیتے اور کہتے کہ یہ تمہارے داد دادی کا خط ہے اسے چومو (۵۱)۔ ان کا بچپن گاؤں کی سادہ فضا میں گنگا کے کنارے سپیاں اور موتیاں چنتے گزرا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی پھر شہر کا رخ کیا (۵۲)۔

وہ بچپن ہی سے گھومنے پھرنے کے بے حد شوقین تھے ان کے بھائی اسرار کریوی کے مطابق اعظم کریوی والد صاحب کے ساتھ باہر جانے کے لیے شدید چیخ و پکار مچا دیا کرتے تھے ایک دفعہ ان کے والد انھیں لے کر دو میل دور ایک گاؤں شادی میں شرکت کے لیے گئے تو غروب آفتاب کے بعد اعظم کریوی تنہا اپنے گاؤں واپس آ گئے اس وقت ان کی عمر سات سال رہی ہوگی (۵۳)۔ جب وہ الہ آباد کے گورنمنٹ ہائی اسکول میں زیر تعلیم تھے اس وقت انھیں شاعری کا شوق ہوا اسکول میں ایک پنڈت سے بڑی ناراضگی رہتی تھی دو چار اشعار ان کے خلاف کہہ کر اپنی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے (۵۴)۔ اپنے حالات کے حوالے سے خود ان کا کہنا تھا کہ بچپن کھیل کود میں گزر راجس کی وجہ سے انٹر سے آگے نہ پڑھ سکا خیریت یہ رہی کہ انگریزی، اردو کے ساتھ ہی فارسی اور کچھ کچھ گجراتی اور سنسکرت سے بھی واقف ہو گیا (۵۵)۔

اعظم کریوی کے بڑے بیٹے افتخار احمد کے مطابق والد محترم ہومیو پیتھک کے ڈاکٹر تھے انھوں نے ہومیو پیتھک کا امتحان لاہور سے پاس کیا تھا وہ ہومیو پیتھک کی پریکٹس بھی کیا کرتے تھے (۵۶)۔ ان کی شخصیت کے حوالے سے ان کے قریبی عزیزوں بھائی، بیٹے، بیٹی کی رائے یہ تھی کہ غصے کے تیز تھے بچوں کا رونا اور شور ہنگامہ برداشت نہیں کر سکتے تھے خود اعظم کریوی کا کہنا تھا کہ میں بہت حساس ہوں اور اس حساسیت کی وجہ سے شور اور ہنگامے میں افسانے نہیں لکھ سکتا (۵۷)۔

سلیم اعظم کے مطابق اعظم کریوی انتہائی خوش پوش، خوش گفتار اور اقربا پرور تھے گاؤں کے لوگوں کی عزت کیا کرتے تھے۔ چھوٹی ذات کے ہندو، چمار، پارسی، گوالے اور غریبوں کے پاس بیٹھ کر ان کا دکھ سکھ بانٹا کرتے تھے (۵۸)۔ افتخار احمد کے مطابق والد صاحب نے ہمیشہ یہ سمجھا یا کہ رشتے داروں سے تعلق نہ رکھنا یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ان سے صرف میں ہی نمٹ سکتا ہوں (۵۹)۔ ضمیر جعفری اور اعظم کریوی کے دفتری تعلقات تھے ضمیر جعفری ان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ میں نے بیک وقت دو بیویوں کا کوئی اتنا بے فکر اور بذلہ گفتار شخص نہیں دیکھا (۶۰)۔

اعظم کریوی نے اپنی زندگی میں شاعری بھی کی، مضامین بھی لکھے، رسائل کی ادارت بھی کی لیکن ان کا خاص امتیاز افسانہ نویسی ہی رہا (۶۱)۔ پریم چند کے زمانہ عروج میں اعظم کریوی نے پریم چند کی طرز پر افسانہ نگاری کی کوشش کی مگر جلد ہی موضوع اور اسلوب کے حوالے سے اپنا انفرادی رنگ پیدا کر لیا (۶۲)۔ اعظم کریوی کے یہاں فن کی نزاکتیں اور لطافتیں، تخیل اور شعریت کے ساتھ ساتھ زندگی کے حقائق بھی نظر آتے ہیں (۶۳)۔ اعظم کریوی کے افسانوں میں

ہندوستان کی دیہاتی اور مذہبی زندگی کی بھرپور عکاسی نظر آتی ہے۔ اعظم کریوی کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کے مشاہدے اور مطالعے کا مرکز شروع سے ہی برصغیر کے دیہات اور دیہاتی زندگی کے عوامل و مشاغل رہے ہیں (۶۴)۔ دیہات کی بود و باش، اس کی جزئیات نگاری اور ماحول کی منظر کشی میں اعظم کریوی پریم چند سے کسی طرح کم نہیں ہیں (۶۵)۔ اعظم کریوی نے اپنے افسانوں کا مواد دیہات اور وہاں کی اقتصادی سماجی زندگی کی حقیقتوں سے پیدا شدہ مسائل سے حاصل کیا (۶۶)۔ انگریزی سامراج اور اس سامراج سے پیدا کردہ زمینداری اور پھران کے ہر کاروں کے ظلم و ستم کو بے نقاب کر کے انھوں نے کسان کی زندگی کا اصل خاکہ پیش کیا (۶۷)۔ وہ دیہی معاشرت میں روا غیر انسانی سلوک اور ان میں پرورش پاتے ہوئے غلط رسم و رواج کو بدل دینے کے لیے کوشاں تھے (۶۸)۔

”نور پور کے پر فضا میدان میں گنگا جی کے کنارے گڑیوں کا میلہ لگتا تو کڑیاں اپنے سسرال جاتیں پریم ہاتھ پاؤں میں مہندی رچاتی اپنی گڑیوں کو گھنے کپڑے سے سجا کر بد کرتی۔“ (افسانہ، پریم کی چوڑیاں، مشمولہ: پریم کی چوڑیاں، ص ۲)

پورب کے دیہات کی نہایت جاندار تصویریں انھوں نے کھینچی ہیں اور ان تصویروں میں جیسا رنگ انھوں نے بھرا ہے وہ دوسروں کے یہاں بہت کم نظر آتا ہے (۶۹)۔ خود اعظم کریوی کا کہنا ہے کہ جس گاؤں یا شہر کے متعلق افسانے لکھتا ہوں میری انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ ان مقامات کی مخصوص فطرتیں جھلکتی ہوئی نظر آئیں تاکہ پڑھنے والا اس مقام کی مخصوص فضا کا لطف حاصل کر سکے (۷۰)۔ وقار عظیم کا کہنا ہے کہ ان کے افسانے اس حوالے سے قابل قدر ہیں کہ اس میں مقامی رنگ نظر آتا ہے (۷۱)۔

”جس وقت وہ گاؤں پہنچا دن ڈوب رہا تھا اور بھینسیں چراگاہ سے واپس ہو رہی تھیں سورج دیوتا کی سنہری شعاعوں میں گائیں رنگی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے گنگا جی میں چمکتے ہوئے تارے“ گوالے لبرہا“ گاتے چلے آ رہے تھے کہیں کہیں پرچھوٹے چھوٹے بچے مٹی میں کھیل رہے تھے۔ گاؤں کی بہویں گھڑے لیے گنگا جی سے پانی بھرنے جا رہی تھیں۔“ (افسانہ، پریم کی چوڑیاں، ص ۴، مشمولہ: پریم کی چوڑیاں)

وہ گاؤں کی معصومیت کو مثالی انداز میں پیش کرتے ہیں اس کی غربت اور بے چارگی پر بے پناہ آنسو بہاتے

ہیں (۷۲)۔

”دیہاتی زندگی میں ایک برادرانہ انس ہوتا ہے جو شہری زندگی میں نہیں پایا جاتا گاؤں کے چھوٹے بڑے امیر و غریب سب اسی رشتے میں بندھے رہتے

ہیں۔“ (افسانہ، پریم کی چوڑیاں، ص ۴)

ان کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ گاؤں کی زندگی کے چند اثر انگیز واقعات کا انتخاب کر کے افسانے کے پلاٹ کی تعمیر کرتے ہیں (۷۳)۔ انھیں دیہات کے عام لوگوں سے بہت محبت تھی اور وہ ان کی صحیح حالت دکھا کر لوگوں میں ان سے ہمدردی کا جذبہ بیدار کرنا چاہتے تھے۔ دیہات کے خوشنما مناظر اعظم کرپوی کے قلم سے نکلنے کے بعد جاندار محسوس ہوتے تھے (۷۴)۔

”رائے صاحب رام پرشاد اوستھی کے مکان کے سامنے ایک عالیشان شامیانہ لگا ہوا تھا نو بجے کا وقت ہو گا پنڈتوں کو بھوج دیا جا رہا تھا پنڈت کون تھے بڑے بڑے نام دھاری جن کی چوٹیاں کنویں سے پانی کھینچ لاسکتی تھیں جن کے تک آسمانی قوس قزح کو بھی مات کرتے تھے جو بظاہر غریب برہمن بنے ہوئے تھے لیکن جن کے گھروں میں سونا برستا تھا، جو دعوتیں کھا کھا کر اتنے موٹے ہو گئے تھے کہ دو قدم چلنے میں انھیں تکلیف ہوتی تھی اسی قماش کے برہمن آج تعلقہ دار رائے صاحب رام پرشاد اوستھی کے یہاں گرم گرم پوریاں، خستہ کچوریاں اور انواع اقسام کی مٹھائیاں کھا رہے تھے۔ تھال کے تھال ان کے سامنے آتے اور وہ بغیر ڈکار لیے اڑاتے جاتے تھے۔“ (افسانہ، اچھوت، مشمولہ شیخ و برہمن، ص ۲۱۳)

ان کے ابتدائی افسانے دیہات کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں وہ پریم چند کی طرح دیہاتی زندگی کے تمام پہلوؤں کو تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کرتے بلکہ ان میں سے چند واقعات کا انتخاب کر لیتے ہیں جن کے بیان میں ان کے نزدیک اثر زیادہ ہے یا جن کے بیان سے افسانہ زندگی کا ترجمان اور مصور بنتا ہے (۷۵)۔ انھوں نے دیہات کے گھروں کے اندر اور باہر اچھی طرح سیر کی ہے، ان میں دن گزارے ہیں اور ان کی زندگی کے نرم گرم سے ہو کر گزرے ہیں۔ دیہاتیوں کے جذبات اور خیالات کی گہرائیوں میں ڈوب کر ان کا کھوج لگایا ہے ان کے رسم و رواج اور طور طریقوں میں سے کوئی ایسا نہیں جس سے وہ بے خبر ہوں (۷۶)۔ دیہات میں بسنے والے غریب کسان اور مزدور کی زندگی کے ناسور، مثلاً زمینداروں کے مظالم، پٹواریوں کی زیادتیاں، مال گزاری اور لگان کا مسئلہ، خشک سالی اور مہاجن کے قرضے اور فرسودہ رسم و رواج، ان کے افسانوں کے خاص موضوعات ہیں (۷۷)۔ دیہی زندگی کی عکاسی پر مبنی ان کے بیشتر افسانے سیاسی پس منظر کے حامل ہیں انھوں نے دیہاتی زندگی کا گہرا مطالعہ کیا تھا زمینداروں کے مظالم اور دیہاتی عوام کے ساتھ بدسلوکی کو انھوں نے شدت سے محسوس کیا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا (۷۸)۔ ان کے افسانوں میں دیہی زندگی

کی سچی تصویر چمکتی ہے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ اکثر اوقات سچے واقعات ہی کو کہانی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں (۷۹)۔  
اعظم کرپوی کی گرفت دیہاتی زندگی اور اس کے معاملات و مسائل پر خاصی مضبوط ہے دیہات کی دنیا ان کی دیکھی بھالی ہے سیاسی معاملات پر بھی ان کی گہری نظر ہے ان کے افسانوں میں اصلاح و تبلیغ کا عنصر نظر نہیں آتا وہ حقیقی واقعات کو حقیقی انداز میں پیش کرنے کا فن جانتے ہیں (۸۰)۔

افسانہ 'ایڈیٹر' (نیرنگ خیال، جون ۱۹۲۹ء) ہیرو (ہمایوں، مئی ۱۹۲۹ء) نشاط زندگی (نئی روشنی، اکتوبر ۱۹۲۹ء) گناہ کی گٹھری (نگار، دسمبر ۱۹۲۹ء) انصاف (نگار، اگست ۱۹۳۰ء) ضمیر کی سرزنش (نیرنگ خیال، اکتوبر ۱۹۳۰ء) روپ کا نشہ (نگار، فروری ۱۹۳۱ء) پردیسی (نگار، مارچ ۱۹۳۲ء) تندی (نگار، اگست ۱۹۳۲ء) دھوپ چھاؤں (نیرنگ خیال، جولائی نمبر، مئی جون ۱۹۳۳ء) بگلا بھگت (ساقی، افسانہ نمبر، جولائی ۱۹۳۵ء) وغیرہ میں دیہات کی فطری سادگی کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے (۸۱)۔

دیہی تہذیب سے اعظم کرپوی کے قلبی لگاؤ کا اندازہ ان کے افسانے "انقلاب" سے پوری طرح عیاں ہے اس افسانے میں گاؤں میں رہنے والے لوگوں کی سادگی، مروت اور بھائی چارگی کے ساتھ بے ایمانی اور مکاری کے جذبات کو جس حسن و خوبی سے انھوں نے پیش کیا ہے اس سے افسانے میں ایک جدت پیدا ہو گئی ہے (۸۲)۔ ڈاکٹر صغیر افرام کے مطابق اعظم کرپوی نے ہندوستان کے کروڑوں نادار اور مفلس و بے سہارا لوگوں کی زندگیوں کو اپنے افسانوں کا اصل موضوع بنایا ہے کسانوں اور مزدوروں کے شب و روز توہمات اور جہالت کو اس طرح پیش کیا ہے کہ اس عہد کی مکمل سماجی اور اقتصادی تاریخ نظروں کے سامنے پھر جاتی ہے (۸۳)۔ زمینداروں اور ان کے کارندوں کے ظلم و جبر، اچھوتوں کی کسمپرسی عورتوں کی زبوں حالی، سماجی جبر اور لوٹ کھسوٹ کے خلاف وہ اپنے افسانوں میں صدائے احتجاج بلند کرتے رہے (۸۴)۔

ضلع الہ آباد پر گنہ چائل کے موضع کورئی کی زبان کتابی اُردو نہیں تھی بلکہ ہندی آمیز پوربی دیہاتی تھی اعظم کرپوی کو اپنے آبائی وطن کی زبان بہت پیاری تھی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے بیشتر افسانوں میں دیہاتوں کے روزمرہ اور محاورے کے مطابق مقامی لوگوں کے لہجے میں زبان کا استعمال کیا ہے یوں اعظم کرپوی کی پیاری زبان ان کے افسانوں میں مرقوم ہو کر رہ گئی ہے (۸۵)۔ وہ "مغلچ" کتابی اُردو لکھنے کے حق میں نہیں تھے انھوں نے دقیق اُردو اور سنسکرت آمیز ہندی لکھنے کو ناپسند کیا ہے ان کے افسانوں کی زبان بیشتر ہندی آمیز "گنگا جمنی" اُردو ہے جس میں دیہاتی مکالمے بھی محفوظ ہیں (۸۶)۔ خود اعظم کرپوی کا کہنا تھا کہ "عربی کے شیریں الفاظ کے ساتھ ساتھ بھاشا کے میٹھے شہد اور آسان سے آسان زبان میں سبق آموز افسانے لکھنا میری افسانہ نگاری کا خاص مقصد ہے۔" (۸۷) انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندوؤں



کی مذہبی عقیدت کا پورا خیال رکھا ہے مثلاً کہیں گنگا کا لفظ لکھنے کے لیے آیا ہے تو ”گنگا“ یا ”دریائے گنگا“ لکھنے کی بجائے بیشتر ”گنگاماتا“ یا ”گنگاجی“ وغیرہ جیسے الفاظ لکھے ہیں (۸۸)۔ وہ اردو ہندی مناقشے کے خلاف تھے وہ مشترکہ قومیت اور مشترکہ زبان کے دلدادہ تھے اور آسان فارسی آمیز ہندی کو فروغ دینے کے حامی تھے (۸۹)۔

اعظم کرپوی کے افسانوں کا متن اگر مسلمانوں سے متعلق ہے تو عام طور پر مسلمانوں کی معاشرت کے مطابق الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً بھینٹ، روشنی، سماج کا شکار، قانون، عبرت، تارگھر، ماں، آگے جاؤ، وغیرہ (۹۰)۔ وہ افسانے جن کا موضوع ہندوؤں کی معاشرت اور تہذیب ہے ان کی عبارت عموماً ہندی آمیز ہے مثلاً، سیندور والا، پی کہاں (شیاما)، دل کی دنیا، ملاح کی بیٹی، وغیرہ (۹۱)۔ برہمن دتا تریہ کیفی کا کہنا ہے کہ پریم چند اور سدرشن دونوں ہندو تھے اس لیے انھیں ہندو معاشرے اور ہندو کرداروں کی عکاسی میں مشکل نہیں ہوئی جبکہ اعظم کرپوی نے بے حد خوش اسلوبی اور حقیقت نگاری سے ہندو معاشرے اور اراکین کی عکاسی کی ہے (۹۲)۔

اعظم کرپوی کے افسانوں کی زبان کے حوالے سے ناقدین ادب کی رائے یہ ہے کہ: ان افسانوں کی جان ان کی زبان ہے اردو کو اس وقت جس خدمت کی ضرورت تھی وہ افسانہ نگاروں میں اعظم سے زیادہ کسی اور نے انجام نہیں دی۔ پریم چند، سدرشن، جینی سب دیہات کی زندگی کے نقشے کھینچتے ہیں لیکن زبان کسی کے یہاں اتنی فطری نہیں جیسی اعظم کے افسانوں میں ہے (۹۳)۔ اعظم کرپوی فارسی اور ہندی کے ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو اُنمل بے جوڑ معلوم نہ ہوں ان کے افسانوں میں ہندی اور فارسی لفظوں کا استعمال اس قدر موزوں ہوتا ہے کہ کسی طرح انھیں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا اس حوالے سے ان کے افسانے ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں (۹۴)۔

اعظم کرپوی نے اپنے افسانوں میں اپنے آبائی وطن ”الہ آباد“ کا ذکر بڑی محبت اور عقیدت سے اس انداز میں کیا ہے کہ پڑھنے والوں کے دل میں بھی وطن پرستی کا جذبہ فروغ پائے (۹۵)۔ ان کے افسانے، پریم کی چوڑیاں، پریم کی لیلیا، سچی خوشی، عبرت، تماشہ، آگے جاؤ میں موضع کورئی کا نام کئی مرتبہ لکھا ہوا ہے (۹۶)۔

ڈاکٹر حامد کمال نے ”اردو افسانے کی تشکیلی روایت میں اعظم کرپوی کا حصہ“ کے عنوان سے پی۔ ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا ہے جس میں انھوں نے اعظم کرپوی کے افسانوں کی ایک فہرست پیش کی ہے جو درج ذیل ہے۔

- ۱۔ پریم کی انگوٹھی، ۲۔ بھینٹ، ۳۔ موہنی، ۴۔ روپ سنگھار، ۵۔ تارا، ۶۔ بابو، ۷۔ تارگھر، ۸۔ بھکارن، ۹۔ خان بہادر، ۱۰۔ پی کہاں، ۱۱۔ شانتی، ۱۲۔ پریم کی پیاسی، ۱۳۔ آزادی، ۱۴۔ پوجا، ۱۵۔ مرلا، ۱۶۔ پریتم، ۱۷۔ ایڈیٹر کی بیوی، ۱۸۔ ملاح کی لڑکی، ۱۹۔ وکیل کا کارنامہ، ۲۰۔ بابو (ترجمہ)، ۲۱۔ سچی خوشی، ۲۲۔ شریف ڈاکو، ۲۳۔ پریم کی چوڑیاں، ۲۴۔ منصف، ۲۵۔ سہیلی، ۲۶۔ بیگار، ۲۷۔ پریم کی لیلیا، ۲۸۔ لکشمی، ۲۹۔ سنگ دل، ۳۰۔ سوشیلا،

۳۱۔ مکافات عمل، ۳۲۔ اقرار جرم، ۳۳۔ انقلاب، ۳۴۔ ہیرو، ۳۵۔ ایڈیٹر، ۳۶۔ کاپلٹ، ۳۷۔ کسوٹی، ۳۸۔ کرنی کا پھل، ۳۹۔ چندرکلا، ۴۰۔ عبرت، ۴۱۔ پڑوسن، ۴۲۔ ہولی، ۴۳۔ بیوہ، ۴۴۔ گناہ کی گٹھری، ۴۵۔ بھکاری کا پریم، ۴۶۔ شان امارت، ۴۷۔ دل کی دنیا، ۴۸۔ خودداری، ۴۹۔ انصاف، ۵۰۔ ضمیر کی سرزنش، ۵۱۔ شوہر کی محبت، ۵۲۔ مردانگی، ۵۳۔ رانی، ۵۴۔ روپ کا نشہ، ۵۵۔ آنسو، ۵۶۔ دل کی آگ، ۵۷۔ شہید وطن، ۵۸۔ علم و عمل، ۵۹۔ شیخ و برہمن، ۶۰۔ سیندور والا، ۶۱۔ ناگن، ۶۲۔ گھر کی بلا، ۶۳۔ مصور، ۶۴۔ چمپا، ۶۵۔ قانون، ۶۶۔ پردیسی، ۶۷۔ اچھوت، ۶۸۔ لوکی والا، ۶۹۔ روشن، ۷۰۔ پگلی، ۷۱۔ نندی، ۷۲۔ تحفے، ۷۳۔ پاروتی، ۷۴۔ گھر، ۷۵۔ لاج، ۷۶۔ محبت کی ٹھوکر، ۷۷۔ کھویا ہوا پیار، ۷۸۔ پریتما، ۷۹۔ مایا، ۸۰۔ فریبی، ۸۱۔ ایک لڑکی کی کہانی، ۸۲۔ دل کی کمزوری، ۸۳۔ نرملہ، ۸۴۔ قربانی، ۸۵۔ دھوپ چھاؤں، ۸۶۔ دلاری، ۸۷۔ دکھیا، ۸۸۔ محبت کی یادگار، ۸۹۔ بھابھی، ۹۰۔ بگلا بھگت، ۹۱۔ یتیم، ۹۲۔ سماج کا شکار، ۹۳۔ کنول، ۹۴۔ بڑے بول کا سر نیچا، ۹۵۔ گریجویٹ، ۹۶۔ ۲۰۰۰ کا ہندوستان، ۹۷۔ کوکلا، ۹۸۔ جگنو، ۹۹۔ گناہ کی بیٹی، ۱۰۰۔ دل ہی تو ہے، ۱۰۱۔ زندگی کا افسانہ، ۱۰۲۔ ماں، ۱۰۳۔ شہر کا جادو، ۱۰۴۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، ۱۰۵۔ دن کی روشنی میں، ۱۰۶۔ آخری تمنا، ۱۰۷۔ ملاپ، ۱۰۸۔ ناشاد سہیلی، ۱۰۹۔ ساکھ، ۱۱۰۔ منزل، ۱۱۱۔ روپ کی رانی، ۱۱۲۔ پان کا بیڑا، ۱۱۳۔ پختایت، ۱۱۴۔ چھٹکارا، ۱۱۵۔ شرابی، ۱۱۶۔ بڑا آدمی، ۱۱۷۔ گور واری بھی ہنس پڑی، ۱۱۸۔ مہترانی، ۱۱۹۔ چوڑی والا، ۱۲۰۔ ہندوستانی کتا، ۱۲۱۔ انسان اور حیوان، ۱۲۲۔ تاریکی، ۱۲۳۔ تماشہ، ۱۲۴۔ دکھیا کی کہانی میری زبانی نمبر ۱، ۱۲۵۔ دکھیا کی کہانی میری زبانی نمبر ۲، ۱۲۶۔ دکھیا کی کہانی میری زبانی نمبر ۳، ۱۲۷۔ دکھیا کی کہانی میری زبانی نمبر ۴، ۱۲۸۔ مہاجر کی عید، ۱۲۹۔ یادگار دمشق (۹۷)۔

۲۰۰۹ء میں اعظم کریوی کے افسانوں کے مجموعے شائع ہوئے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

پریم کی چوڑیاں (۹۸)۔ شیخ و برہمن (۹۹)۔ انقلاب (۱۰۰)۔ ہندوستانی افسانے (۱۰۱)۔ دکھ سکھ (۱۰۲)۔ روپ سنگھار (۱۰۳)۔ کنول (۱۰۴)۔

مندرجہ بالا حقائق سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اُردو افسانے کے ابتدائی دور میں سجاد حیدر یلدرم نے رومانیت پسندی کو فروغ دیا جب کہ ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں میں پریم چند نے حقیقت پسندی اور اصلاح پسندی کو اپنا پریم چند وہ پہلے افسانہ نگار ہیں جن کے افسانوں میں دیہات کی پیش کش بھرپور انداز میں نظر آتی ہے انھوں نے ہندوستان کے دیہات، کردار اور موضوعات کو بھرپور انداز میں اپنے افسانوں میں پیش کیا ان کے مقلدین میں سدرشن، علی عباس حسینی اور اعظم کریوی کے افسانوں میں دیہات کسی نہ کسی شکل میں موجود ضرور ہیں۔

اعظم کریوی کا پہلا افسانہ 'پریم کی انگوٹھی' تھا۔ انھوں نے مختلف رسائل کی ادارت بھی کی مگر ان کا خاص امتیاز

افسانہ نویسی تھا ان کے افسانوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جزئیات نگاری سے کام لے کر دیہات، ان کی بود و باش اور ان کے مسائل کی منظر کشی کی گئی ہے۔ زمینداروں کے کسانوں پر ظلم، ہندو سماج میں بیوہ کے ساتھ سلوک، غربت، مفلسی، ناداری، غلط رسم و رواج کو بہت کامیابی سے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ ان کے بیشتر افسانوں میں دیہات کی عکاسی بہت خوبصورت اور فطری انداز میں نظر آتی ہے۔

ان کے افسانوں کی زبان پوری ہے اور ان افسانوں میں ان کی اپنے وطن الہ آباد سے محبت کا جذبہ بھی موجود ہے۔ انھوں نے حقیقت پسندی اور اصلاح پسندی کے نقطہ نظر سے ہندوستان کے دیہات کو اپنے افسانوں میں بے حد کامیابی سے پیش کیا۔ اردو افسانے کے ابتدائی دور میں اعظم کریوی ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنہیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

## حواشی

- (۱) انور سدید، اردو افسانے کی کروٹیں (لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء)، ص ۳۸۔
- (۲) ایضاً، ص ۳۸۔
- (۳) ایضاً، ص ۳۸۔
- (۴) ایضاً، ص ۳۷۔
- (۵) وقار عظیم، ہمارے افسانے (لاہور: اردو مرکز، ستمبر، ۱۹۵۰ء)، ص ۱۷-۱۸۔ [بار دوم]
- (۶) فرمان فتح پوری، اردو افسانہ اور افسانہ نگار (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۳ء)، ص ۱۴۔
- (۷) مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظر نامہ، اردو افسانے کی مختصر تاریخ (لاہور: اورینٹ پبلشرز، ۲۰۱۲ء)، ص ۱۵۔
- (۸) وقار عظیم، داستان سے افسانے تک (کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۰ء)، ص ۱۷۔
- (۹) ایضاً، ص ۱۶۔
- (۱۰) محمد شفیق، اردو افسانے پر بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے اثرات، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، (اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۰۶ء)، ص ۴۴۔
- (۱۱) غنیمتی نوید، ابوالفضل صدیقی اور اردو کا افسانوی ادب (کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۴ء)، ص ۶۰۔
- (۱۲) محمد شفیق، مجولہ بالا، ص ۴۶۔
- (۱۳) ایضاً۔
- (۱۴) محمد حسن، ادبی سماجیات (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۱ء)، ص ۵۵۔
- (۱۵) عزیز احمد، ترقی پسند ادب (ملتان: کاروان ادب، ۱۹۹۳ء)، ص ۱۵۔
- (۱۶) غنیمتی نوید، مجولہ بالا، ص ۱۴۲۔
- (۱۷) ایضاً، ص ۱۴۲۔
- (۱۸) محمد حسن، مجولہ بالا، ص ۵۵۔
- (۱۹) صغیر انجم، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک سے قبل (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۱ء)، ص ۳۵۔
- (۲۰) ایضاً، ص ۳۵۔

## اعظم کریوی کے افانوں میں سماجی مسائل

- (۲۱) گولپ چند نارنگ، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء)، ص ۱۴۔
- (۲۲) انور سدید، مجولہ بالا، ص ۳۹۔
- (۲۳) ایضاً، ص ۳۴۔
- (۲۴) ایضاً، ص ۳۴۔
- (۲۵) ایضاً، ص ۳۴۔
- (۲۶) ایضاً، ص ۳۵۔
- (۲۷) ایضاً، ص ۳۵۔
- (۲۸) سلیم آغا قزلباش، جدید اُردو افسانے کے رجحانات (کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۷۳۔
- (۲۹) ایضاً، ص ۲۷۳-۲۷۴۔
- (۳۰) ایضاً، ص ۲۷۴۔
- (۳۱) ایضاً، ص ۲۷۴۔
- (۳۲) ایضاً، ص ۲۷۴۔
- (۳۳) ایضاً، ص ۲۸۱ تا ۲۸۷۔
- (۳۴) تنظیم الفردوس، اُردو کی ایک متوازی فرہنگ: ابوالفضل صدیقی کی غیر مطبوعہ ڈائری، مشمولہ تحقیق، شمارہ ۲ (جامشورو: سندھ یونیورسٹی، جنوری تا جون ۲۰۱۴ء)، ص ۳۷۔
- (۳۵) مرزا حامد بیگ، مجولہ بالا، ص ۲۸۔
- (۳۶) محمد حامد کمال، اُردو افسانے کی تشکیلی روایت میں اعظم کریوی کا حصہ، غیر مطبوعہ مقالہ (کراچی: شعبہ اُردو جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۹۸۔
- (۳۷) ایضاً، ص ۲۰۱۔
- (۳۸) bio-bibliography.com
- (۳۹) اعظم کریوی، ”خودنوشتہ حالات زندگی“، مشمولہ میرا پسندیدہ افسانہ (لاہور: گیلانی الیکٹرونک پریس)، ص ۱۰۵۔
- (۴۰) محمد حامد کمال، مجولہ بالا، ص ۳۶۔
- (۴۱) ایضاً، ص ۳۲۵۔
- (۴۲) ایضاً، ص ۳۲۷۔
- (۴۳) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۴) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۵) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۶) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۷) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۸) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۴۹) ایضاً، ص ۳۶۸۔
- (۵۰) ایضاً، ص ۴۰۸۔
- (۵۱) ایضاً، ص ۳۲۱-۳۲۲۔

## اعظم کریوی کے افانوں میں سماجی مسائل

- (۵۲) ناہید اعظم کریوی، اعظم کریوی بحیثیت افسانہ نگار، بحوالہ محمد حامد کمال، مجولہ بالا، ص ۳۲۳۔
- (۵۳) اسرار احمد کریوی، ذکر اعظم کریوی، مشمولہ اخبار اعظم (جون جولائی ۱۹۹۰ء)، ص ۶۲۔
- (۵۴) ایضاً۔
- (۵۵) اعظم کریوی، مجولہ بالا، ص ۱۰۵۔
- (۵۶) محمد حامد کمال، مجولہ بالا، ص ۳۶۳۔
- (۵۷) ایضاً، ص ۳۵۱-۳۵۲۔
- (۵۸) ایضاً، ص ۳۵۲۔
- (۵۹) ایضاً، ص ۳۵۲-۳۵۳۔
- (۶۰) ایضاً، ص ۳۵۵۔
- (۶۱) ایضاً، ص ۳۵۳۔
- (۶۲) شہزاد منظر، پاکستان میں اردو افسانے کے پچاس سال (کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء)، ص ۳۹۔
- (۶۳) ساغر نظامی، 'پیش لفظ'، مشمولہ پریم کی چوڑیاں (اسلام آباد: اسارٹ پرنٹنگ پریس، مارچ ۲۰۰۹ء)۔
- (۶۴) وقار عظیم، مجولہ بالا، ص ۱۲۸۔
- (۶۵) ایضاً، ص ۱۲۸۔
- (۶۶) صغیر افرانیم، مجولہ بالا، ص ۷۶۔
- (۶۷) ایضاً، ص ۷۶۔
- (۶۸) ایضاً۔
- (۶۹) ایضاً، ص ۱۲۸-۱۲۹۔
- (۷۰) اعظم کریوی، 'میں افسانے کیونکر لکھتا ہوں'، مشمولہ ماہنامہ نیئرنگ خیال (لاہور: دسمبر ۱۹۳۴ء، بطور سالنامہ ۱۹۳۵ء)، ص ۳۰۔
- (۷۱) وقار عظیم، مجولہ بالا، ص ۱۲۸۔
- (۷۲) ایضاً، ص ۱۲۸۔
- (۷۳) ایضاً۔
- (۷۴) ڈاکٹر صادق، ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ، (دہلی: اردو مجلس، ۱۹۸۱ء)، ص ۳۸۔
- (۷۵) وقار عظیم، مجولہ بالا، ص ۱۲۸۔
- (۷۶) ایضاً، ص ۱۲۸۔
- (۷۷) ڈاکٹر صادق، مجولہ بالا، ص ۳۸۔
- (۷۸) وقار عظیم، مجولہ بالا، ص ۱۸۶۔
- (۷۹) ڈاکٹر صادق، مجولہ بالا، ص ۳۸۔
- (۸۰) وقار عظیم، مجولہ بالا، ص ۱۲۹۔
- (۸۱) صغیر افرانیم، مجولہ بالا، ص ۷۶-۷۷۔
- (۸۲) ایضاً، ص ۷۷۔
- (۸۳) ایضاً۔
- (۸۴) ایضاً، ص ۷۸۔

## اعظم کرپوی کے افانوں میں سماجی مسائل

- (۸۵) محمد حامد کمال، مجولہ بالا، ص ۵۷۳۔
- (۸۶) ایضاً، ص ۵۷۳۔
- (۸۷) ایضاً۔
- (۸۸) ایضاً۔
- (۸۹) ایضاً، ص ۵۷۵۔
- (۹۰) ایضاً، ص ۵۸۶۔
- (۹۱) ایضاً۔
- (۹۲) برجموہن دتا ترکینی، ”پیش کلمہ“، مشمولہ کنول، (راولپنڈی: سگما پریس، ۲۰۰۹ء)، ص ب۔
- (۹۳) نگہت ریحانہ خان، اردو افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشرز، ۱۹۸۶ء)، ص ۶۵۔
- (۹۴) وقار عظیم، ہمارے افسانے (لاہور: اردو مرکز گنپت روڈ، ستمبر ۱۹۵۰ء)، ص ۱۳۰ [بار دوم]۔
- (۹۵) ساغر نظامی، مجولہ بالا۔
- (۹۶) محمد حامد کمال، مجولہ بالا، ص ۵۵۹۔
- (۹۷) ایضاً، ۶۸۱-۶۷۴۔
- (۹۸) اعظم کرپوی، مجولہ بالا، ۲۰۰۹ء۔
- (۹۹) شیخ وبرہمن (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔
- (۱۰۰) انقلاب (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔
- (۱۰۱) ہندوستانی افسانے (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔
- (۱۰۲) دکھ سکھ (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔
- (۱۰۳) روپ سنگھار (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔
- (۱۰۴) کنول، (راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس)، ۲۰۰۹ء۔

## ماخذ

- احمد، عزیز، ترقی پسند ادب، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۹۳ء۔
- افراہیم، صغیر، اردو افسانہ ترقی پسند تحریک سے قبل، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۱ء۔
- بیگ، مرزا حامد، افسانے کا منظر نامہ: اردو افسانے کی مختصر تاریخ، لاہور: اورینٹ پبلشرز، ۲۰۱۲ء۔
- تنظیم الفردوس، اردو کی ایک متوازی فرہنگ: ابوالفضل صدیقی کی غیر مطبوعہ ڈائری، مشمولہ تحقیق، شمارہ ۲۷، جامشورو: سندھ یونیورسٹی، جنوری تا جون ۲۰۱۲ء۔
- حسن، محمد، ادبی سماجیات، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۲۰۱۱ء۔
- خان، نگہت ریحانہ، اردو افسانہ: فنی و تکنیکی مطالعہ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشرز، نومبر ۱۹۸۶ء۔
- ساغر نظامی، ”پیش لفظ“، مشمولہ پریم کی چوڑیاں، اسلام آباد: اسارٹ پرنٹنگ پریس، مارچ ۲۰۰۹ء۔
- سدید، انور، افسانے کی کروٹیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء۔
- شفیق، محمد، اردو افسانے پر بیسویں صدی کی ادبی تحریکوں اور رجحانات کے اثرات، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اسلام آباد: نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ۲۰۰۶ء۔
- صادق، ڈاکٹر، ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ، دہلی: اردو مجلس، ۱۹۸۱ء۔

## اعظم کریوی کے افسانوں میں سماجی مسائل

- عظیم، وقار، داستان سے افسانے تک، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۰ء۔
- \_\_\_\_\_ ہمارے افسانے، لاہور: اُردو مرکز، ستمبر ۱۹۵۰ء، [بُار دوم]
- فتح پوری، فرمان، اُردو افسانہ اور افسانہ نگار، کراچی: اُردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۳ء۔
- قزلباش، سلیم آغا، جدید اُردو افسانے کے رجحانات، کراچی: انجمن ترقی اُردو، ۲۰۰۰ء۔
- کریوی، اسرار احمد، ذکریٰ اعظم کریوی، مشمولہ اخبار اعظم، جون جولائی ۱۹۹۰ء۔
- کریوی، اعظم۔ انقلاب، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ خود نوشتہ حالات زندگی، مشمولہ میرا پسندیدہ افسانہ، لاہور: گیلانی الیکٹرک پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ دکھ سکھ، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ ڈوپ سنگھار، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ شیخ وبرہمن، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ کنول، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- \_\_\_\_\_ ”میں افسانے کیونکر لکھتا ہوں“، مشمولہ ماہنامہ نیرنگ خیال (دسمبر ۱۹۳۴ء، بطور سالنامہ ۱۹۳۵ء) ص ۳۰۔
- \_\_\_\_\_ ہندوستانی افسانے، راولپنڈی: سگما پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۹ء۔
- کمال، محمد حامد، اُردو افسانے کی تشکیلی روایت میں اعظم کریوی کا حصہ، غیر مطبوعہ مقالہ، کراچی: شعبہ اُردو جامعہ کراچی، ۲۰۰۶ء۔
- کیفی، برجہ، ہن دتا تریہ، ”پیش کلمہ“، مشمولہ کنول، راولپنڈی: سگما پریس، ۲۰۰۹ء۔
- منظر، شہزاد، پاکستان میں اُردو افسانے کے پچاس سال، کراچی: پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی، ۱۹۹۷ء۔
- نارنگ، گوپی چند، اُردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء۔
- نویہ، عظمیٰ، ابوالفضل صدیقی اور اُردو کا افسانوی ادب، کراچی: ادارہ یادگار غالب، ۲۰۱۴ء۔